جبّار یاسین حسین

بیونس آئریس کا دن

عربی سے ترجمہ: محمد عمر میمن

[جبّار یاسین حسین عراقی ناول نگار اور شاعر ہیں جو ۱۹۷۶ میں صدام حسین کی حکومت کی زیادتیوں کے باعث عراق چھوڑ کر فرانس جا بسنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انھوں نے عربی اور فرانسیسی میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ۲۰۰۳ میں صدام حسین کے زوال کے بعد یہ عراق آئے۔ ''القارئ البغدادی'' نامی کتاب، جس میں زیرِ نظر افسانہ شامل ہے، ان کی عراق بازآمد کے فوراً بعد لکھی گئی تھی۔ ان کی کتابوں کے ترجمے کئی یورپی زبانوں میں دست یاب ہیں، لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، انگریزی میں صرف اسی ایک کہانی کا ترجمہ ہوا ہے۔

چند معروضات: اگرچہ افسانہ ''یوم بوینس آیرس'' میں نے پہلے انگریزی ترجمے میں پڑھا تھا، خود میرا ترجمہ عربی سے کیا گیا ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ مجھے عربی پر انگریزی سے زیادہ عبور حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میری عربی دانی پر تقریباً چالیس سالہ زنگ کی ایک دبیز تہ جمی ہوئی ہے۔ لیکن عربی سے ترجمہ کرنے کی دو وجہیں ہیں: ایک تو یہی کہ بعض مقامات پر مجھے احساس ہوا کہ عربی عبارت کا انگریزی ترجمہ اگر غلط نہیں تو صحیح بھی نہیں ہے۔ (ترجمے کے پہلے جملے میں ہی ایک فاش غلطی موجود ہے۔) اور کہیں کہیں تو مجھے انگریزی ترجمہ ضرورت سے زیادہ آزاد نظر آیا۔ دو مثالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی: (۱) اصل عربی جملہ ''تطیب من عطر زجاجة فشعر بنکهته الأصیل تغمر لحیته التی ابیضّت'' (صفحہ ۱۱۲) ترجمے کے صفحہ ۱۱٤ پر اس طرح ہے: "He refreshed himself with scent from a bottle and felt the overwhelming flavor of late afternoon lingering on his grayed beard"۔ ایک اور جگہ ''رحّب بضیفیه وأفرد أبا القاسم بقبلتین علی وجنتیه'' (صفحہ ۱۱۲) انگریزی لباس میں یوں ظاہر ہوا ہے: "He greeted his two guests, and Al-Ash'ari kissed both his cheeks" (صفحہ ۱۱٤)۔

دوسری وجہ: اس افسانے کی عربی فصیح ہے، یعنی اس میں روزمرہ کی زبان یا مقامی بولی ٹھولی کا رنگ نہیں

ہے، جیسا کہ علاء الاسوانی کے ناول ''عمارة يعقوبيان'' میں تھا۔ اگر ہوتا تو شاید ہمت نہ پڑتی۔

انگریزی ترجمہ "The Day in Buenos Aires" کے عنوان سے رانداجرّار (Randa Jarrar) نے کیا ہے اور *Words Without Borders, The World Through the Eyes of Writers: An Anthology*, ed. by Alane Salierno Mason et al. (Anchor Books, 2007), pp. 111-119 میں شامل ہے۔ اصل عربی افسانہ ''يوم بوينس آيرس'' مصنف کی کتاب ''القارئ البغدادی'' (بیروت: دار الآداب، ۲۰۰۳؛ صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۸) کا حصہ ہے۔

تاہم میں نے اپنے ترجمے میں کہیں کہیں انگریزی ترجمے سے استفادہ کیا ہے۔ پہلے اسے پڑھ لینے کے بعد یہ ناممکن تھا کہ اس کی کسی قدر مہک میرے ترجمے میں آنے سے رہ جائے۔ پڑھے ہوئے کو اَن پڑھا کرنے کا گُر مجھے معلوم نہیں۔

یہ کہانی ایک طرح سے بورخیس کی کہانی "Averroes' Search" کا جواب ہے، لیکن ان معنی میں کہ اس کو لکھنے کی بنیادی تحریک بورخیس سے آئی ہے، سو یہ ایک لحاظ سے اسی کا شاخسانہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں عربی جواب کو ''مطلق الوجود'' ذرا مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے۔ اس کا بھلا برا جیسا بھی وجود ہے اس کا سارا انحصار بورخیس کی کہانی پر ہے۔

یادش بہ خیر، میں نے کوئی ۲۰ سال پہلے بورخیس کی اسی کہانی کا ترجمہ اردو میں کیا تھا، جس کے ساتھ مبسوط توضیحات اور حواشی بھی مہیا کر دیے تھے۔ یہ سارا مواد ''ابن رشد کی سعی وتلاش'' کے عنوان سے پہلی بار پروفیسر آلِ احمد سرور کے اعزاز میں شمس الرحمٰن فاروقی کی مرتبہ کتاب ''تحفۃ السرور'' (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۸۵) میں شامل ہوا اور بعد میں میرے کیے ہوئے تراجم کے مجموعے ''آوارگی'' (کراچی: آج کی کتابیں، ۱۹۸۷) میں۔ عراقی کہانی کی تفہیم کے لیے، یا کم از کم اس سے پورا لطف اٹھانے کے لیے، بہتر ہوگا کہ بورخیس کی کہانی کو بھی پڑھ لیا جائے۔ عربی کہانی کے بعض اشارے بورخیس کی کہانی کو پڑھے بغیر گرفت میں نہ آ سکیں گے۔ —— محمد عمر میمن]

<mumemon@charter.net>

☆

جبّار یاسین حسین

بیونس آ ئرلیس کا دن

محکم، اور بڑی محتاط خطاطی میں ابن رشد نے ''تهافت التهافت'' کے مخطوطے میں اس ٹکڑے کا اضافہ کردیا: ''ارسطو مدح کو 'المیے' اور ہجو کو 'طربیے' کا نام دیتا ہے۔ قرآن اور مقدس صحیفوں میں نہ المیے کے فسوں کی گنجائش ہے، اور نہ طربیے کے۔''[1]

— ہورخے لوئیس بورخیس

''ابن رشد کی سعی وتلاش،'' در The Aleph

☆

قیلولے سے پہلے ابوالولید ابن رشد، یا بل کہ ''پوتے'' نے — اور یہ وہ نام تھا جو اسے اپنے والد اور دادا سے ممیّز کرتا تھا جو دونوں قرطبہ میں قاضی ہوا کرتے تھے — طب کا وہ درس یاد کیا جس میں اس کا بلنسی[2] استاد ابو مروان موجود تھا۔ اس نے اس سال کی یادآوری کی کوشش کی جس میں وہ اپنے استاد سے ملا تھا، لیکن بے سود۔ اس کے بجائے اس کے تصور میں مراکش کے کسی محلے کی گلی سے گزرتی ہوئی ایک عورت کی صورت گھوم گئی۔ چاشت کا وقت تھا اور ابن رشد سلطان یوسف سے ملنے جارہا تھا جو اس سے ارسطو کی تفسیر کروانے کا خواہش مند تھا۔ عورت نقاب اٹھائے خراماں خراماں چلی جارہی تھی، اور ابن رشد کا خود پر قابو جاتا رہا۔ وہ رک کر پیچھے کو جھکا تاکہ عورت آسانی سے گزر جائے، اور عورت کا چہرہ اس کی یاد میں یوں نقش ہو کر رہ گیا کہ ابھی تک تر و تازہ تھا۔ وہ کیسا دمکتا ہوا چہرہ تھا جو اسے دکھائی دیا تھا؟ اس چہرے کے نقوش کی بابت اس نے ہمیں نہیں بتایا، اور نہ عبدالوحید المراکشی نے ہی، جس نے ابن رشد کے بارے میں بہت سی باتیں روایت کی ہیں۔ لیکن آج دوپہر، وہ ایک سفید مخملیں غلاف کے نیچے لیٹا ہوا اس عورت کے چہرے کو یاد کررہا ہے اور ٹھیک اسی معاملے کے بارے میں وہ عبارت سن رہا ہے جو اس کے استاد ابن طفیل نے ''نیل گائے'' کا ذکر کرتے ہوئے کہی تھی۔

اس نے اپنے دل کو اس دور دراز صبح کی دھوپ کی زد میں آئے ہوئے مراکشی عورت کے دمکتے ہوئے چہرے پر بھٹکنے دیا۔ چہرہ ہولے ہولے اس کے قریب آنے لگا، یہاں تک کہ اب وہ اس کی آنکھوں اور مراکشی قفطان سے مشابہ مخملیں سفید غلاف کے درمیان آ گیا تھا۔ اس کے پپوٹے بوجھل ہوگئے، اور سمندری بگلوں کے چکرانے کی آواز اس کے کانوں میں آنے لگی؛ وہ

ان کے پروں کو بحری ہوا کو کاٹتے ہوئے سن سکتا تھا۔ جلد ہی اسے نامانوس، رنگ برنگے سمندری پرندے اس جنگل کے اوپر پرواز کرتے ہوئے نظر آئے جس میں ایک سبز رنگ کا دریا بہتا تھا۔ پھر اسے نیند نے آلیا۔

جب وہ بیدار ہوا تو اس وقت تک مراکشی عورت کا چہرہ کہیں بہت دور جا چکا تھا، بل کہ وہ اسے غنودگی کے سیلاب میں بھول بھال گیا تھا۔ اسے ڈیوڑھی [٣] سے مردانہ آوازیں آتی سنائی دیں اور اسے تاجر ابوالقاسم الاشعری سے اپنی ہونے والی ملاقات کا یاد آ گیا سے جو ابھی حال ہی میں چین سے واپس لوٹا تھا۔ الاشعری اور قاری فرح کو اپنی شام کی بیٹھک میں مدعو کرتے وقت اسے ان حضرات کی آپسی چشمک کا خیال نہیں رہا تھا۔ اور اب اسے جھگڑے سے ملتی جلتی آواز ڈیوڑھی سے آتی سنائی دے رہی تھی، جس میں اس کی سرخ بالوں والی کنیز کی دھیمی، دبی دبی سی آواز بھی داخل تھی جو آنگن کے پیش منظر میں نغمہ سرا تھی۔ اس نے حسب معمول کنیز کو آواز نہیں دی، بل کہ تیزی سے اٹھا اور پلنگ کے قریب رکھے ہوئے برتن کے پانی سے منہ دھو کر اپنی نیلی عبا زیب تن کر لی۔ شیشی سے عطر لگا کر خود کو خوش گوار بنایا اور نکہتِ ناب کو اپنی داڑھی پر غلبہ آور ہوتے ہوئے محسوس کیا جو سفید ہو چلی تھی۔ اس نے غنودگی میں دیکھے گئے خواب کی جزئیات کو یاد کیا اور مسکرا دیا۔ سرخ بالوں والی کنیز کو دوبارہ داخل ہو کر زنانہ ڈیوڑھی کی روشنیاں جلاتے ہوئے دیکھنے کے بعد اس نے ڈیوڑھی کا رخ کیا۔

اس نے دونوں مہمانوں کو خوش آمدید کہا لیکن بوسہ صرف ابوالقاسم ہی کے دونوں گالوں پر ثبت کیا۔ تاجر ڈاڑھی منڈا تھا، آنکھوں میں سرخ سرمہ لگا رکھا تھا، اور اس کا چہرہ ڈیوڑھی کی چھت کے وسط میں لٹکے ہوئے فانوس کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ ابن رشد نے ابوالقاسم الاشعری کی ہیئت کذائی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کیوں کہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس شخص کا حریف منہ سے کوئی ایسی بات نکال دے جس کا سننا اسے اِس وقت ناگوار گزرے۔

انھوں نے ابوالقاسم کی چینی علاقوں میں سیر و سیاحت پر گفت گو کی۔ تاجر نے وہاں کے بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے ملک کے گنے چنے مسلمانوں کو آزادی بخش دی تھی۔ ابن رشد کو یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ چند چینی جو عراقی تاجروں کے ساتھ ساتھ ساحلی شہروں میں آئے تھے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ”سوائے دانش والو! عبرت حاصل کرو۔“[٤] ابن رشد نے ترتیل کے ساتھ پڑھا، لیکن فرح نے آواز بلند کی اور ترتیل سے کچھ گانے کے سے انداز میں پڑھنے لگا: ”جب آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔[٥] ابن رشد کو محسوس ہوا کہ دو حریفوں کی موجودگی میں گفت گو کسی اور ہی ڈگر پر چل نکلے گی، اور فرح چینی باشندوں اور ان کے ایمان کے بارے میں بہت سے سوال کر ڈالے گا اور ان درختوں کی گواہی کے موضوع کو دہرائے گا جن کے پتوں پر کلام اللہ اور اس کے معنی منقش ہوتے،[٦] اور اپنے حریف کی تردید کے لیے کسی ذاتی شہادت کی کھوج میں لگ جائے گا۔

ابن رشد الاشعری پر بے دینی کی تہمت لگتے دیکھنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوگا۔ وہ تو بس اتنا ہی چاہتا ہے کہ ''الکشف عن منهج الأدلة فی عقائد الملّة'' میں جو خود اس نے رقم کیا ہے وہی دہرادے اور کہے، ''ہمیں سزاوار ہے کہ موجودات کے بابت عقلی چھان بین کریں،'' لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس مرتبہ ان دونوں کا مناقشہ صرف اسی کے ذہن میں واقع ہو رہا ہے۔ اسے اپنا خواب یاد آیا، اور سوچا کہ اس کے ذکر سے گفت گو کا رخ پلٹنا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن اسے قاری فرح کی حالت پر رنجیدہ برہمی سی محسوس ہوئی جو اسے اس کے پرانے قرطبائی غنیم قاضی ابو عامر کی یاد دلا رہا تھا جس نے ایک پوری خلقت کو اس کے خلاف اتنا بھڑکا دیا تھا کہ ایک دن انھوں نے اسے مسجد قرطبہ میں عصر کی نماز ادا کرنے سے روک دیا تھا۔

''اگر کسی چیز کا سرے سے وجود ہی نہ ہو تو وہ معدوم کیسے ہو سکتی ہے؟'' ابن رشد نے اپنے دونوں مہمانوں سے کہا۔ پھر ایک پیکر اس کے خواب سے نکل کر اس کے ذہن میں در آیا۔ ''میری سرخ بالوں والی کنیز کے گنگنانے کی آواز نے مجھے بیدار کیا جو وہی گا رہی تھی جو ولّادہ [7] نے ایک دن کسی اور جگہ گایا تھا۔ اس کے الفاظ اور آپ حضرات کے قدموں کی آواز کے ساتھ ساتھ میری آنکھ کھلی: معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونوں اس وقت پہنچے جب میں ہنوز کسی دور دراز کے خواب میں ڈوبا ہوا تھا، دوسری دنیاؤں میں جو صرف خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں واقع ہیں۔''

''خوابوں کی صعوبت بعض اوقات دور دراز ملکوں کے سفر کی صعوبت جیسی ہوتی ہے،'' الاشعری نے خیال ظاہر کیا۔ اس پر ایک مکارسی مسکراہٹ فرح کے لبوں پر جھلک اٹھی جسے ابن رشد نے کلام جاری رکھتے ہوئے محسوس کر لیا: ''جب آپ لوگ آ رہے تھے، میں گویا اس وقت دور افتادہ ملکوں میں تھا۔ راستے میں مجھے ایک دریا کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیا جو جیحون کے مقابلے میں زیادہ بڑا اور سیحون [8] سے اور بھی زیادہ بڑا تھا اور سبزہ زاروں سے ہوتا ہوا گزر رہا تھا جو باغات تھے نہ اندلس۔ خالی بَن جو انسان اور حیوان دونوں سے تہی تھے ...لیکن، خدا بہتر جانتا ہے، یہ بالکل حقیقی تھے۔ میں نے خود کو بڑے عجیب وغریب شہر میں پایا، اگرچہ گردِ سفر کا نام و نشان بھی مجھ پر نہیں تھا۔''

''یہ سفرِ جنت تھا، یا ابوالولید' فرح نے اعلان کیا۔ پھر تاسف کے ساتھ یہ بڑھا دیا، ''کیوں کہ اندلس میں اور اس کی سردیوں میں بھی، مسافر جن اماکن سے گزرا ہو ان کی گرد لیے وارد ہوتا ہے۔''

ابوالولید اپنا خواب بیان کرتا رہا، ''ایک نابینا شخص نے، جس نے اپنے بلندی پر واقع گھر میں مجھے خوش آمدید کہا تھا— یہ گویا ایک حضرموتی گھر کی طرح تھا جو میں نے سنا ہے تلے اوپر بنے ہوتے ہیں— بتایا کہ یہ نئی دنیا میں واقع ایک شہر ہے جو 'بیونس آئرلیس' یا ایسا ہی کچھ کہلاتا ہے۔ بولا کہ وہ اسی شہر میں رہتا ہے اور اس نے اندلس اور قرطبہ کے بارے میں سن رکھا ہے۔ بل کہ یوں لگ رہا تھا جیسے گزشتہ کل وہ وہیں موجود ہو۔''

ابن رشد کے ملاقاتی ہمہ تن گوش بنے سن رہے تھے، اوران کے چہروں کے خطوط، ان کے حلیوں کے فرق کے باوجود، اب ایک دوسرے سے ملتے جلتے دکھائی دینے لگے تھے۔ اس نے ان کی طرف دیکھا اور ابوالقاسم کے ڈاڑھی منڈے چہرے نے اسے اپنے خواب والے شہر کے میزبان کا چہرہ یاد دلا دیا، سو اس نے کلام جاری رکھا، ''مجھ سے کہا کہ اس کا نام بورخیس ہے۔ مجھے اس نام کے معنی نہیں معلوم، نہ قشتالیہ[9] میں، نہ عربی میں۔ وہ غیر تعلیم یافتہ آدمی[10] مجھ سے قشتالیہ کی کسی بولی میں بات کر رہا تھا جو ایسی لگ رہی تھی جیسے بڑی مہارت کے ساتھ اینٹ سے اینٹ جوڑی گئی ہو۔[11] یہ آج کل کے نوجوان لڑکوں کی بولیوں جیسی بالکل نہیں تھی۔ بولا کہ مجھے جانتا ہے، اور میرے سارے نام گن کر سنا دیے۔ کوئی دانا آدمی نظر آتا تھا، یا ابن معزّہ کی قبیل کا کوئی شاعر، جو ہر سنی ہوئی چیز کو حفظ کر لیتا ہو، کیوں کہ اس نے قدما کی کتابوں سے بہت کچھ بیان کیا اور بار بار کہا کہ ان پر غور وخوض کرنا واجب ہے۔''

''اور جدید کتابوں کی بابت کیا کہا؟'' قاری فرح نے پوچھا، لیکن ابن رشد نے جواب نہیں دیا، کیوں کہ اسے محسوس ہوا کہ وہ عبارت جو نابینا آدمی نے اسے سنائی تھی وہ ''فصل المقال'' میں لکھی ہوئی خود اسی کی عبارت تھی۔ فرح جواب کا انتظار کر رہا تھا، لیکن ابن رشد کے چہرے پر گمبھیرتا پھیل چکی تھی، وہ کہیں بہت دور تھا، اپنی یاد اور بھولی ہوئی کتاب کے صفحات کو الٹنے پلٹنے میں مصروف، اس صفحے کی تلاش میں جہاں اس نے وہ عبارت رقم کی تھی۔ ''ابوالولید، میں نے پوچھا تھا، اور جدید کتابوں کی بابت کیا کہا؟'' فرح نے یہ اتنی اونچی آواز میں دہرایا کہ الاشعری کے کانوں پر گراں گزرا۔ چناں چہ ابوالولید نے — جسے علی ابن ابی طالب کا ایک قول یاد آ گیا تھا: ''لوگوں سے اسی کا ذکر کرو جو وہ جانتے ہیں'' — بڑی تیزی اور جھنجھلاہٹ سے جواب دیا، ''اس کا علم صرف خدا کو ہے۔''

وہ خواب بیان کرتے کرتے رک گیا اور اپنے مہمانوں سے حافظے کی کم زوری کی معذرت چاہی۔ ابوالقاسم نے تبصرہ کیا کہ قیلولے کے دوران دیکھے گئے خواب بے سروپا اور بے روح ہوتے ہیں، اور بیدار ہونے پر یاد نہیں رہتے، کیوں کہ روح ازلی ہے، جب کہ فجر کے خواب ملائک کی ارواح میں ڈھالے جاتے ہیں، اور انبیا کے رؤیا کی طرح ہوتے ہیں۔ فرح نے ابن رشد کے خواب پر اس طرح بات کی جیسے وہ نابینا کی بیان کی ہوئی کوئی حکایت ہو، وہ نابینا جو یقیناً عیسائی رہا ہوگا، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہو رہا تھا، اور اضافہ کیا کہ یہ ابن سینا اور الفارابی کی باطل حکایتوں سے ملتی جلتی شے ہے۔ ابن رشد نے فرح کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، لیکن اپنے دوست الاشعری پر گاہے گاہے نظر ڈالتا رہا جس نے، اسی کی طرح، صرف سننے پر اکتفا کی تھی مگر تیوری چڑھا کر، جس کا رمز ابن رشد خوب سمجھتا تھا۔ اس اثنا میں جب شام دھیمی دھیمی بارش کی طرح پڑ رہی تھی اور اپنی سرخی سے مسجد کے سبز گنبد کو ڈھانپ لیا تھا، خشتی مینارے سے اذان کی آواز بلند ہوئی اور دونوں مہمان رخصت ہوئے۔ ان کے جانے

کی دیر تھی کہ سرخ بالوں والی کنیز قرطبہ میں ساون کے موضوع پر دوبارہ نغمہ سنج ہوگئی۔

نماز سے فارغ ہوکر ابن رشد صحن کے ایک گوشے میں آیا، اوپر آسمان کی طرف دھیان میں ڈوبی ہوئی نظر ڈالی تو دیکھا کہ ستارے بڑی مسجد کے مینار کے اوپر جگمگا رہے ہیں جس کی مرمت ابھی حال ہی میں ہوئی تھی، اور گنگناتے پانی کی آواز کہیں قریب ہی فوارے سے آتی سنائی دی، جو ہمیشہ اسے اپنے اسلاف میں سے کسی کا قصہ یاد دلا دیتا تھا جو ٹھیک نہر کے پیاؤ پر پہنچ کر پیاس سے مرگیا تھا۔ اسے اپنے مہمانوں کا خیال آیا اور الاشعری کی روانگی پر افسوس ہوا، جسے اس نے برسوں سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنا بقیہ خواب اس سے بیان کر دیا ہوتا، اگر فرح دونوں کے درمیان نہ موجود ہوتا...

اسے پھر مراکشی عورت کا خیال آ گیا، لیکن اس نے عمداً اسے جھٹک دیا، کیوں کہ عورت کے خط و خال برسوں سے اس کے ذہن پر نقش تھے۔ اس کے بجائے اس نے خواب کے ان حصوں کی بابت سوچا جس میں اس نے اوروں کو شریک نہیں کیا تھا۔ جس چیز نے اسے سحر زدہ کر دیا تھا وہ ایک سرخ رنگ کا پھل تھا جو اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی چند قاشیں نابینا آدمی کی میز پر ایک مرصع رکابی میں رکھی تھیں۔ وہ اس پھل کی عجیب و غریب خوش بو سونگھ رہا تھا لیکن اس کی توجہ اپنی نکبت [۱۲] کے راز کی بابت نابینا کے استفسار پر لگی ہوئی تھی۔ اساطیر اور احلام میں—اور یہ وہ بات ہے جو اسے حیرت میں ڈال دیتی تھی— آدمی ایسی دلیری کا مالک ہوتا ہے جو عام دنوں میں اس کی قدرت میں نہیں ہوتی۔ اگر وہ ابوالقاسم کے سامنے وہ سب دہرا دیتا جو اس نے خواب میں کہا تھا تو؟ کیا وہ اس کی تضحیک کا ہدف بنتا، حال آں کہ ابوالقاسم ایک ایسا آدمی تھا جس نے اپنے سفروں کے دوران ایسی چیزیں دیکھی تھیں کہ وہ لوگ جنھوں نے نہیں دیکھی تھیں ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے؟ کیا وہ اس سے یہ کہہ سکا ہوتا کہ اس نے نابینا آدمی کو اتنی سہولت سے جواب دے دیا تھا جس کی توقع نہ گزرے ہوؤں سے کی جا سکتی تھی اور نہ آنے والوں سے، یہی کہ وہ سارے کا سارا معاملہ محض املا نویسوں کی غلطی کا نتیجہ تھا، کیوں کہ لکھتے وقت ان میں سے ایک ہکلاہٹ کا شکار تھا! جب ابن رشد حیوانات پر کتاب کا املا لکھوا رہا تھا اور اس مقام پر پہنچا جہاں زرافہ کا بیان آتا تھا، تو اس نے کہا تھا، ''میں نے ملک البرّ کے یہاں زرافہ دیکھا،'' لیکن چوں کہ منشی ہکلانے کا عادی تھا، تو وہ ''ملک البـربر'' لکھ گیا۔ خصومت اس کے سوا کیا تھی کہ جب انھوں نے [کتاب کا] یہ نسخہ سلطان المنصور کو پیش کیا، تو وہ طیش میں آ گیا، انتقام کا جویا ہوا، اور اسے ملک بدر کر دیا۔ ابن رشد نے اس سارے واقعے کے بارے میں سوچا اور اس کے دماغ میں اپنے ایامِ نکبت کی تصویر کھنچ گئی اور اس دن کی جب وہ مراکش سے لوٹنے والی کشتی میں سوار ہوا، تتلیوں کے ایک غول کو سمندر پار کرتے دیکھا، اور پھر اس نابینا آدمی کے پیکر کی جو خواب میں کسی ایسے گھر میں اس کی قیادت کرتا پھر رہا تھا جو قدما اور بعد والوں کی کتابوں سے اٹا پڑا تھا جن سے وہ ناواقف تھا۔ لیکن جیسے ہی اس نے اپنی سرخ بالوں والی باندی کی آواز سنی جو اسے رات کھانے کے لیے بلا رہی تھی—باندی نے تھوڑی دیر کے لیے گانا بند کر دیا تھا— تو مسکرا دیا اور فیصلہ کیا کہ کل وہ ابوالقاسم سے، جس نے یقیناً اپنے چین کے سفر میں عجیب

عجیب پھل دیکھے ہوں گے، اس سرخ پھل کے ذائقے کے بارے میں پوچھے گا جس کی مہک قیلولے سے اٹھنے کے بعد سے ابھی تک اس کے حافظے میں باقی تھی۔ وہ اس بتادے گا کہ اس نے اپنے خواب میں نابینا آدمی کو انھیں ''لوس توماتیں'' [ٹماٹر] کہتے ہوئے سنا تھا۔

☆

حواشی

١۔ میں نے بورخیس کے اس اقتباس کا ترجمہ اسی عبارت کے مطابق کیا ہے جو اصل عربی افسانے میں دی گئی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس افسانے ("Averroes' Search") کی انگریزی مترجم نے توجہ دلائی ہے، یہ بورخیس کی اصل عبارت سے مختلف ہے۔ انتھونی کیریگن کے مطابق، جنھوں نے بورخیس کے افسانے کا ہسپانوی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، یہ عبارت یوں ہے:

. . . With a firm and carefull calligraphy he added the following lines to the manuscript.

> *Aristu (Aristotle) calls panegyrics by the name of tragedy, and satires and anathemas he calls comedies. The Koran abounds in remarkable tragedies and comedies, and so do the* mohalacas *of the sanctuary.*
>
> Jorge Luis Borges, *A personal Anthology* (New York: Grove Press, 1967), p. 109.

"mohalacas" سے مراد ماقبل اسلام کے مشہور و معروف ''معلّقات'' ہیں۔ انگریزی مترجم کا خیال ہے کہ آخری جملے میں تحریف (بورخیس کے '' قرآن میں شان دار المیے اور اوطربیے بہ کثرت پائے جاتے ہیں ...'' کے بجائے عربی مترجمین کے '' قرآن اور مقدس صحیفوں میں نہ المیے کے فسوں کی گنجائش ہے، اور نہ طربیے کے'') کا باعث قرآن کی بے ادبی اور بے حرمتی ہونے کا احتمال ہے۔ اب یہ نہیں معلوم کہ یہ تحریف بورخیس کے افسانے کے عربی مترجمین نے کی ہے یا خود جبّار یاسین حسین نے۔

٢۔ ''بلنسی'' سے مراد ہسپانیہ کے مشرق میں بحرالمتوسط پر واقع ساحلی شہر Valencia (بلنسیہ) کا باشندہ ہے۔

٣۔ یہاں ''دیوانیہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور شاید اس سے مراد ''مدخل''، ''راہداری'' وغیرہ ہے۔ میں نے ''ڈیوڑھی'' استعمال کیا ہے۔

٤۔ ''فعتبروا یا أولی الابصار،'' قرآن،٥٩:٢۔ متن کا اردو ترجمہ عبدالماجد دریابادی صاحب کا کیا ہوا ہے۔

٥۔ ''اذا جَاء نَصرُ اللّٰہِ والفتح + وَرَأیتَ الناسَ یَدخُلُونَ فی دینِ اللّٰہِ افواجاً + فَسَبّح بِحَمدِ ربّكَ وَ استغفِر ہ اِنّہ کان تَوَّاباً'' قرآن،١١٠:١-٣۔ متن کا اردو ترجمہ عبدالماجد دریابادی صاحب کا کیا ہوا ہے۔

٦۔ سیاق وسباق کے لیے بورخیس کا افسانہ "Averroes' Search" (''ابن رشد کی سعی وتلاش'') دیکھیے۔

٧۔ شہزادی ولادہ (وفات: ١٠٩١) اندلس کے اموی خلیفہ المستکفی کی بیٹی تھی، جس کا دورِ حکومت ١٠٢٣ سے ١٠٢٥ تک صرف دو سال رہا۔ نامی گرامی عشقیہ شاعر ابن زیدون سے اس کا بڑا ہنگامہ خیز معاشقہ چلا تھا اور بہت مشہور ہوا تھا۔ یہ خود بھی شعر کہتی تھی اور اپنی بے حد نفیس، باذوق، اور شائستہ ادبی نشستوں اور خاص طور پر اپنی آزادروی کے باعث قرطبہ بھر میں مشہور تھی۔ یہ پردے کے سخت خلاف تھی۔

٨۔ انگریزی مترجم نے ''جیحون'' اور ''سیحون'' کے سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے: "The names of rivers in Jehan, or Paradise." جنت کے چار دریاؤں میں سے ہونے کے علاوہ، ان ناموں کے دو دریا خود ہماری زمین پر بھی پائے جاتے ہیں: ''جیحون'' خراسان کے ایک دریا کا نام ہے جسے ''آمو دریا'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شمالی افغانستان (پامیر) سے نکلتا ہے۔ اس کا قدیم نام "Oxus" ہے۔ ''سیحون'' دراصل وسطی ایشیا کا ''سیر دریا'' ہے۔ قرونِ وسطیٰ کی اسلامی نگارشات میں یہ ''سیحون'' کہلاتا تھا۔ اس کا مغربی نام ہے "Jaxartes" ہے۔

٩۔ یعنی Castilian، جو ہسپانیہ کی سابقہ مملکت Castile کا اسم صفت ہے، اور اس علاقے کے باسی اور زبان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں مراد اس علاقے کی زبان ہے۔

١٠۔ عربی متن میں ''اُمّی'' استعمال ہوا ہے (وہی لفظ جو نبیِ کریم کے لیے ہمارے یہاں استعمال ہوتا ہے)۔ انگریزی مترجم نے شاید اسے کتابت کی غلطی سمجھ کر ''أعمی'' پڑھا ہے اور "blind man" ترجمہ کیا ہے۔ بورخیس کو ''ناخواندہ'' مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے۔ ''اُمّـــــــــــی'' کے لیے انگریزی کا لفظ unschooled زیادہ موزوں ہے۔ یعنی کوئی ایسا جس کی تربیت باقاعدہ تعلیمی اداروں میں نہ ہوئی ہو۔ میں نے ''غیر تعلیم یافتہ'' انھیں معنوں میں استعمال کیا ہے، یعنی اس کی تعلیمی تربیت اسکول کالجوں والی نہیں تھی۔ مقصد اسے مطلقاً غیر تعلیم یافتہ ثابت کرنا نہیں تھا۔

١١۔ ''کأنّها مرصوفة حجراً علی حجراً'' (جیسے پتھر سے پتھر جوڑا گیا ہو)۔ مراد یہ ہے کہ زبان رواں تھی اور الفاظ کی نشست و برخاست میں کہیں جھول نہیں تھا، کسی ایسی سڑک کی طرح جس کی فرش

بندی کے وقت خاص خیال رکھا گیا ہو کہ اینٹوں کے درمیان فصل نہ رہ جائے۔ اور یہ زبان وہ شخص بول رہا تھا جسی کی تعلیمی تربیت اسکول کالجوں کی رہینِ منت نہ تھی۔

۱۲۔ افسانے کی انگریزی مترجم کے مطابق، الموحّدون سلسلے کے امیر ابو یوسف یعقوب المنصور نے ابن رشد کو اس کے قاضی کے عہدے سے برطرف کر کے مراکش سے قرطبہ کے نزدیک جلاوطن کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ''ابن رشد نے علم حیوانیات پر اپنے کسی متن میں المنصور کو 'بربروں کا بادشاہ' [سلطان البربر] لکھ دیا تھا، جو اسلامی ہسپانیہ کے عربوں کے یہاں ایک اہانت آمیز کلمہ سمجھا جاتا تھا (Habib Salloum, *Averroes: The Great Muslim Philosopher*)۔''

<mumemon@charter.net>